

مستقبل کو اپنے ہاتھ میں لے جئے!

انسان اپنی توقع سے زیادہ بہادر ہوتا ہے۔ نظر آنے والی ساخت سے زیادہ طاقتو رہوتا ہے اور اپنی سوچ سے بھی زیادہ ذہین ہوتا ہے۔ یہ تین جملے یونانی فلسفی ارسطو کے نہیں ہیں۔ یہ کسی مغربی سائنسدان یا مشرقی سیاستدان کے بھی نہیں ہیں۔ یہ تمام جملے سرگودھا کی ایک چھوٹی سی گیارہ سالہ بچی زیمل عمر کے ہیں۔ حیران کن خیالات اور کام اس سے بھی بڑھ کر۔ دس برس کی عمر میں زیمل نے محسوس کیا کہ اسکے شہر میں کچھ بہت زیادہ ہے۔ گندگی کے ڈھیروں میں پلاسٹک بیگز کی فراوانی ہے۔ پلاسٹک کے یہ بیگز انسانی زندگی اور صحت پر منفی اثر ڈال رہے ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ ایک چھوٹی سی بچی کا اس طرح سوچنا بذاتِ خود غیر معمولی تھا۔ زیمل نے اپنے گھر میں پرانے اخبارات کو جمع کیا اور ان سے چھوٹے چھوٹے لفافے بنانے شروع کر دیے۔ خیال تھا کہ کاغذ کے بیگر، آہستہ آہستہ پلاسٹک کے خطرناک لفافوں کے مقابل بن جائیں گے۔ اسکے پاس کیا وسائل ہوں گے۔ پسیے کی کمی کو بھی کوئی بہانہ نہ بننے دیا۔ یہ کاغذی لفافے لوگوں اور اداروں میں معمولی سی قیمت پر فروخت کرنے شروع کر دیے۔ آہستہ آہستہ باہم بچی نے اپنے ساتھ دیگر بچوں اور بڑوں کو بھی شامل کر لیا۔ یہ تمام لوگ پرانے اخبارات سے کاغذی بیگز بنانے لگے۔ کیونکہ زیمل ابھی زیر تعلیم ہے۔ لہذا وہ یہ تمام کام چھٹی والے دن کرتی ہے۔ زیمل کی ذہانت دیکھیے۔ اس نے ”زی بیگز“ کے نام سے ایک چھوٹی سی کمپنی کھول لی اور توجہ سے ماحولیات پر کام کرنا شروع کر دیا۔ ابھی تک تقریباً پانچ ہزار ڈالر کے لفافے خود بنا کر نیچ چکی ہے۔ اسکا ارادہ ہے کہ اپنی کمپنی کو پوری دنیا میں پاکستان کی بہترین شناخت بنائیں۔ 2015 میں اسے Childern's Pioneer Award دیا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے، دیگر ممالک میں بھی پذیرائی ہوئی شروع ہو گئی۔ اب تک زیمل، امریکہ اور دیگر ممالک میں پاکستان کی طرف سے مختلف تنظیموں کو لیکھر دینے جا چکی ہے۔ زیمل عمر ایک چھوٹی سی بچی ہے۔ مگر اسکے خواب بہت بڑے ہیں۔ ثابت کر رہی ہے کہ انسان اپنے ارادوں اور خیالوں کو مضبوط قوت ارادی سے عملی شکل دے سکتا ہے۔

آگے چلیے، زندگی اور موت یقینی طور پر خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر میری زندگی لکھی ہوئی ہے تو بارود اور بم میرے لیے پھول بن جاتے ہیں۔ یہ جملہ بھی کسی فیلڈ مارشل کے نہیں ہیں۔ یہ کسی فوجی جرنیل یا جنگجو انسان کے بھی نہیں ہیں۔ یہ تمام جملے رافعہ قاسم بیگ کے ہیں جو پشاور میں رہنے والی ایک بہادر لڑکی ہے۔ انٹرنشنل ریلیشنز اور اقتصادیات میں ڈبل ایم اے کیا ہوا ہے۔ اب قانون کی ڈگری بھی حاصل کر رہی ہے۔ ٹھیک آٹھ سال پہلے خیر پختونخواہ پولیس میں بھرتی ہوئی۔ پشاور سیشن کورٹ میں ایک بم دھماکہ ہوا۔ رافعہ جب وہاں پہنچی تو تباہی، ہی تباہی تھی۔ اس نے ایک بڑا منفرد فیصلہ کیا کہ وہ انسانی جانیں محفوظ بنائے گی۔ اس لڑکی نے بارود کونا کارہ بنانے کی ماہربنے کا ارادہ کیا۔ آج تک پورے ملک میں کسی خاتون نے اتنا خطرناک شعبہ منتخب نہیں کیا تھا۔ انتہائی محنت سے بم، گرنیڈ اور دیگر بارودی ہتھیاروں کو پڑھنا شروع کر دیا۔ ساتھ ساتھ یہ بھی کہ انکو غیر فعل کیسے بنایا جاسکتا ہے۔ رافعہ نے صوبے کے Bomb Disposal Unit میں شامل ہونے کا ارادہ کر لیا۔ کافی لوگوں نے منع کیا کہ یہ انتہائی خطرناک کام ہے۔ خصوصاً اس میں لڑکیوں کا تو کوئی کام ہی نہیں

ہے۔ پر رافعہ ٹھیک آٹھ سال قبل، باقاعدہ طور پر اس خطرناک لیکن اہم یونٹ کا حصہ بن گئی۔ خیر پختونخواہ میں جہاں بھی بارود کی اطلاع ملتی ہے، رافعہ اس جگہ پہنچ کر کمال مہارت سے آتش مہلک ہتھیاروں کو غیر فعال کرتی ہے۔ پچھتر کلوگرام وزن کا حفاظتی سوت پہن کر اپنے اچھوتے کام کو سرانجام دے رہی ہے۔ محفوظ پاکستان کیلئے یہ لڑکی ہمارا قابلِ خیر سرمایہ ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ پورے ملک ہی میں نہیں، رافعہ پورے ایشیاء میں یہ کام کرنے والی پہلی خاتون ہے۔ روز، ہمارے مستقبل کو محفوظ بنانے کیلئے گھر سے نکتی ہے۔ رافعہ کو واقعی علم نہیں ہوتا کہ اپنی خطرناک ڈیوٹی سے زندہ سلامت واپس آئیگی بھی یا نہیں۔ اس نے موت کے خوف پر فتح پالی ہے۔ صرف اور صرف عام آدمی کو بارود سے بچانا اسکا منصب بن چکا ہے۔

”اگر آپ ہمت کریں اور بھر پور عملی کوشش کریں، تو آپ کچھ بھی کر سکتے ہیں“، یہ الفاظ بھی کسی گیانی یا فلسفی کے نہیں ہیں۔ بلکہ ایک خاتون ٹرک ڈرائیور کے ہیں۔ خاتون اور بڑے سے ٹرک کو چلانا، ناممکن۔ آج تک ایسا نہیں ہوا۔ مگر اوپنڈی کی شیم اختر نے یہ ناممکن کام کر کے دکھایا ہے۔ غور سے سینے۔ پانچ بچوں کا بوجھ لیکر جب حادثاتی طور پر اس عظیم عورت کو ناموفق حالات کا سامنا کرنا پڑا تو اسکے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ تعلیم اور نہ ہی سرمایہ۔ کوئی چھوٹا سا کار و بار کرنے کی بھی مالی استطاعت موجود نہیں تھی۔ شیم اختر نے ایک منفرد فیصلہ کیا کہ ٹرک ڈرائیور بننے کی۔ مسئلہ یہ تھا کہ اسے ٹرک چلانا بالکل نہیں آتا تھا۔ ویسے میں نے آج تک کسی بھی عورت کو اتنا مشکل کام کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ شیم اختر نے اسلام آباد کے ایک ڈرائیونگ سکول سے گاڑی اور ٹرک چلانا سیکھا۔ لائنس کیلئے رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ آج تک کسی بھی عورت کو ٹرک چلانے کا لائنس نہیں دیا گیا۔ شیم کا کیس حد درجہ اچھوتا تھا۔ بغیر کسی سفارش کے، اپنی صلاحیت پر شیم نے یہ دشوار مرحلہ بھی عبور کر ڈالا۔ اب شیم ٹرک چلاتی ہے۔ اپنے پانچ بچوں کا رزق کماتی ہے۔ شوہرنہ ہونا، مصائب کی انتہا نے شیم کو بالکل کمزور نہیں کیا۔ وہ تمام ایسی خواتین کیلئے امید کی کرنے بکرا بھری ہے جو حد درجہ مشکلات میں گھری ہوئی ہیں اور وقت انکے لیے ایک امتحان بن چکا ہے۔ شیم نے اپنا مستقبل، عزم سے، اپنے ہاتھ میں لیا ہے اور حد درجہ مطمئن اور کامیاب ہے۔

جو کچھ عرض کیا، یہ کوئی تین کہانیاں یا داستانیں نہیں ہیں۔ یہ کوئی دیومالائی لوریاں بھی نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ہماری نوجوان نسل کے فولادی ضبط کی وہ سچی رواداد ہے جسکی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ اس طرح کے نوجوان لوگ، بزرگ اور بچے ہمارے ہر طرف موجود ہیں۔ زیمیل عمر، شیم اختر اور رافعہ قاسم نے صرف یہ ثابت کیا ہے کہ اپنے بل بوتے پر انسان سب کچھ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ باتیں کرنے اور لکھنے کا ذاتی طور پر میرا ایک مقصد بھی ہے۔ گزشتہ تہرسالہ سیاسی تاریخ پر نظر ڈالیے۔ آپ کو ایک سے ایک بڑھ کر سیاسی شعبدہ بازنظر آئیگا۔ کوہ ہمالیہ جیسے سماجی، لسانی، مذہبی جادوگر نظر آئیں گے۔ بیانات کی ایسی ایسی پھل جڑی چھوڑی جائیگی کہ گمان ہوتا ہے کہ بس اس بارتو قوم کی قسمت بدل جائیگی۔ حقیقت میں، نیم پختہ مارشل لاء سے جنم لینے والی سفاک جمہوریت نے بارہا پورے ملک کو اجاڑا ہے۔ بخدا، عوام کو اب کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ملک میں ووٹ لیکر آنے والی حکومت ہے یا کا کوں اکیڈمی سے فارغ التحصیل افراد قابض ہیں۔ عوام صرف اور صرف اپنے حالات بہتر کرنا چاہتے تھے اور ہیں۔ اس ملک کے خالق، قائد اعظم نے بھی عام لوگوں کی فلاح کیلئے ہندوستان سے علیحدگی کا فیصلہ کیا تھا۔ فیصلہ ماضی میں جتنا درست تھا، آج بھی اتنا ہی شادمان ہے۔ مگر اس فیصلے پر کبھی بھی عمل

نہیں ہو سکا۔ حد درجہ مختلف وجوہات ہیں۔ ہر طرح کی داستانیں موجود ہیں۔ کچھ درج شدہ مگر اکثر سینہ بے سینہ۔ ان تمام قصے کہانیوں کا نچوڑا یک ہی ہے کہ پاکستان میں سرکار کی سطح پر نوجوان بچے اور بچیوں کو وہ ثابت ماحول نہیں مہیا کیا گیا، جس سے ترقی کے دروازے ان پر کھل جائیں۔ کوئی ایسا سرکاری اسم اعظم نہیں بتایا گیا، جسکے پڑھنے سے ہمارے ہونہار طبقے کو بھر پور مدل سکے۔ عجیب ظلم ہے کہ علی بابا اور چالیس چور کا عملی گھوڑہ تھر بر س سے تقریباً ایک جیسا ہے۔ ہر بار، علی بابا، بھیں بدل کر سامنے آ جاتا ہے۔ چالیس چور بھی شکلیں بدل کر، بہترین عباؤں میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ مگر ہمارے زرخیز لوگوں کے دگرگوں حالات جوں کے توں ہی رہتے ہیں۔ بیروز گارلوگ، اپنی امیدوں کے جہنم میں زندگی گزار کر ملک عدم کے قافلے میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔ ڈگر یوں والے لوگ، نوکری کی تلاش میں جوتے نہیں بلکہ اپنا خواب تک گھسادیتے ہیں۔ ہر خوشی سے محروم ان لوگوں کو، کوئی بھی حکومت سہارا نہیں دیتی۔ ان حالات میں دو ہی راستے ہیں۔ ایک تو یہ، کہ غبی امداد کا انتظار کرتے کرتے زندگی گل کر دی جائے۔ اور دوسرا راستہ، اس عظم اور ہمت کا ہے، جو رافعہ قاسم بیگ، شیم اختر اور زیمل عمر کا ہے۔ ان بچیوں اور اس طرح کے درجنوں بچوں نے وسائل کی تنگی کا شکوہ کیے بغیر، عمل کی راہ کو اپنایا۔ اپنی استطاعت کو لمحوں خاطر رکھتے ہوئے وہ فیصلے کیے، جو دشوار نظر آتے ہیں۔ پھر یہ تمام لوگ کامیاب ٹھہرے۔ کسی مجھڑہ کا انتظار کیے بغیر ان تمام لوگوں نے بھر پور کامیابی حاصل کی۔ اب، آپ پر منحصر ہے کہ کون سارا ستہ اپناتے ہیں۔ آپ کی مرضی ہے کہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ لامتناہی انتظار یا بھر پور عمل۔ مشورہ تو یہی ہے کہ ارادہ کیجئے اور اپنے مستقبل کو اپنے ہاتھ میں لے لیجئے۔ قسمت، آپ کی اپنی محنت کا دوسرا نام ہے۔ کوشش کیجئے۔ بھر پور کوشش۔

راوِ منظر حیات